chapter-3

باب سوم

کیفی اعظمی کی غزل گوئی

صنف غزل اپنے اندر رومانی جذبات و احساسات کا بھر پور سرمایہ رکھتی ہے۔اس کے مزاج محبت، عشق اور عشقیہ جذبات کا عنصر بے پایاں رہا ہے۔ ویسے یہ بات تو عام ہے کہ غزل کے لغوی معنی ہی عورتوں سے یا اپنی محبوبہ سے عشق و محبت کی باتیں کرنا ہے۔ اگر اردو ادب کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اردو میں شعر موضوع کرنے والا تقریباً ہر شاعر پہلے غزلیہ شعر کی تخلیق کرتا ہے۔ اپنے اوپر بیتنے والے اور زمانے کے دوسرے لوگوں پر گزرنے والے حالات و تجربات کے وسیلے سے عشقکے گونا گوں واقعات نظر کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

غزلیہ اشعار میں معشوق کی بیوفائیاں بے اعتنائیاں، بے رخی، رقیب و ناصح معاملات، میخانہ و پروانہ، دار و رسن، ملن و جدائی، ناز و انداز، گلشن و صحرا وغیرہ وغیرہ موضوعات مختلف پیرائے میں بیان کئے جاتے ہیں۔

فی زمانہ غزل کا کینواس کافی وسیع ہو گیا ہے۔اس میں شعراء ہر قسم اور قبیل کا مضامین پیش کرنے لگے ہیں۔ زمانے کہ نئے نئے مسائل گونا گوں تجربات، مختلف النوع واوقات غزل کے حوالے سے شعر کے پیرائے میں بیان کئے جارہے ہیں۔ یہی نہیں حالات و مسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ اسکے مناسب و معقول حل اور علاج بھی غزل ہی کے حوالے سے واضح کئے جارہے ہیں۔غزل جیسا کہ زمانہ ماضی میں صرف عشقیہ مضامین یا معشوقانہ موضوعات کے لئے مختص سمجھی گئی تھی، فی زمانہ ایسا نہیں ہے۔

جہاں تک شاعر کیفی صاحب کی غزل گوئی کا تعلق ہے تو وہ فطرتاً روحانی پسند واقع ہوتے ہیں۔ انکی طبیعت میں بچپن ہی سے رومانی جذبات موجزن تھے۔ ابتداء

عمری ہی سے مزاج میں رومانیت غالب تھی۔شروع ہی میں ان کے دل میں عشق نے ڈیرا ڈال دیا تھا۔اور وہ زلف گرہ گیر عارض وگیسو میں ایک فطری کشش محسوس کرنے لگے تھے۔کیفی صاحب حسن کے مداح تھے اور حسن کی دیر بانیوں اور قیامت خیزیوں سے ان کا محبت نواز دل بے پروہ نہ تھا۔وہ فطری طور پر جمال پرست اور رومان پسند واقع ہوئے تھے۔اپنے ایک مضمون۔

میں اور میری شاعری میں اپنے وہ اس فطری رجحان کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

"فصل کٹتی رہی میں نگرانی کرتا رہا، گاؤں کی ایک خوبصورت نوجوان لڑکی بھی فصل کاٹ رہی تھی۔میں زیادہ تر اسی کے قریب کھڑا رہا۔دوپہر تک اس کے گورے گورے گالوں سے دھوپ رنگ بن کر ٹپکنے لگا۔اس کو کچھ اپنے اوپر اعتماد تھا۔کچھ وہ میری کمزوری بھی سمجھ چکی تھی۔اسلئے میں نے اپنے بولیا بہت بڑی بنا رکھی تھیں اور جب میں انکو دیکھنے لگتا تو وہ مسکرانے لگتی۔اس نے پولیاں جیسی بنائی تھیں ایسی ہی میں نے اس کو لے جانے دیں۔گاؤں کی ایک بوڑھی عورت یہ سب کچھ بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔اس نے ٹ تھورا سا اناج چرا رکھا تھا۔اتنے میں چچا آ گئے۔انہوں نے اس بڑھیا کو پکڑ لیا۔اس کو ڈرایا دھمکایا تو اس نے ان سے نمک لگا کر میری شکایت جڑ دی کہ تو نے ہم سے مٹھی بھر جو چھین لئے تیرے بٹوا نے اوکا او جون پتریا کی طرح سنگار کر کے ری ری بوچھ کا بوجھ اٹھائے کے اوکے سر پر رکھ دیں چچا نے میرا کان پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اماں کے پاس لے گئے کہ ان کو بھی وہیں بھیج دیجئے۔یہ گاؤں میں رہیں گے تو سب کچھ لٹا دیں گے۔دو چار دن کے بعد اور اماں نے ماموں کے ساتھ

مجھے لکھنو بھیج دیا۔" ۱؎

کیفی صاحب ترقی پسند تحریک اور اسکے تقاضوں، ضروریات اور شرائط سے پوری طرح اتفاق کرتے ہوئے اس سے کلّی طور پر وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا تمام تر وقت، اپنی تمام فکری صلاحیتیں سماج کے پسماندہ پچھڑ طبقے نیز مزدوروں کی فلاح و بہبودی اور ان کے حقوق کی بحالی کے لئے صرف کر دیا۔ انہوں نے اپنے کلام میں ترقی پسند نظریات و خیالات کو بڑی خوش اسلوبی سے نظم کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اور انہیں افکار و خیالات نے انکی شاعری میں گوناں گوں رنگ پیدا کئے۔ ان کی تمام تر شاعری کا مطالعہ سے پتہ چلتا ہے جبکہ انہوں نے غریبی، مفلسی فرقہ واریت، طبقاتی نظام، مذہبی جنوں اور تنگ نذوی، مشترکہ قومیت، بھائی چارگی، رواداری، یک جہتی، اخوت جیسی قدروں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، اور دم آخر تک فرقہ واریت کے خلاف جنگ وجہد کرتے رہے۔

اردو ادب میں غزل اپنی کلاسیکی رومانیت کے زیر اثر جن موضوعات کی حامل رہی ہے انکی گنجائش ترقی پسند تحریک کے علمبردار شعراء کے کلام میں مطلق دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم قدیم غزل گو شعراء کی غزلوں کے موضوعات حسن و عشق کی واردات، ناز و انداز، غمزہ و شوخی، عیش و نشاط اور آرائش و زیبائش سے آگے نہیں بڑھتے۔ ہاں چند شعراء ایسے بھی ہیں جن کی غزلیں متصوفانہ اور عارفانہ موضوعات کی حامل ہیں۔

کیفی صاحب اپنی شاعری کی ابتداء میں اپنے گھر کی ادبی و شعری فضا سے بیحد متاثر ہوتے رہے تھے۔ ان کے بڑے چار چار بھائی شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اور یہی نہیں چاروں بھائی صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کے والد بھی

کہنہ مشق شاعر تھے۔آئے دن گھر پر شعری نشستیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ ابتداء ہی سے گھر کا ماحول سے متاثر ہو کر کیفی غزل یا مرثیہ کہنے لگے تھے۔پہلی غزل انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں لکھی تھی جس کا مطلع تھا

اتنا تو زندگی میں کسی کی خلل پڑے
ہنسنے سے ہو سکون نہ رونے سے کل پڑے

اس غزل کے دیگر اشعار بھی قابل داد ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

جس طرح ہنس کر ہوئی پی پی کے گرم اشک
یوں دوسرا ہنسنے کو کلیجہ نکل پڑے
ایک تم کہ تم کو فکر نسیب فراز ہے
ایک ہم تو چل پڑے تو بہر حل چل بڑے
ساقی سبھی کو ہے غم تشنہ بھی مگر
مئے ہے اس کے نام پہ جس کا ابر پڑے
مدت کا اور اس نے کی جو لطف کی نگاہ
میں خوش تو ہو گیا مگر آنسو نکل پڑے

کیفی کے بیان کا مطلق یہ غزل انہیں بہت پسند نہیں آئی۔لیکن لوگوں کے مشورہ دیا کہ اگر وہ شاعری کرنا چاہیں تو کسی قابل استاد سے باقاعدہ اصلاح لیا کریں۔اس زمانہ میں لکھنو میں دو استاد شاعروں کا بڑا چرچہ تھا۔ایک آزاد لکھنوی اور دوسرے مولانا صفی بہرائچی۔کیفی صاحب نے صفی صاحب کا انتخاب

بطور استاد کر گیا ایک دن ان سے بغرض اصلاح غزل رجوع کیا۔ مذکورہ غزل سنائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ ان کے کلام میں زبان و بیان کی کوئی خامی نہیں ہے۔ انہوں نے مزید مشورہ دیا کہ ان کی اصلاح کے بعد کیفی کے کلام کی گرمی اور رنگینی ختم ہو سکتی ہے۔ کیوں کے استاد اور شاگرد کی عمر میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ واہ واہ کی پرواہ کئے بغیر بس لکھتے رہیں۔ شعر کی خامیاں خشک پتوں کی طرح جھڑ جائینگی۔ اور خوبیاں نئی کونپلوں کی طرح پھوٹتی رہیں گی۔ کیفی صاحب نے استاد کا اس مشورہ پر عمل کیا اور آخر دم تک اس پر عمل پیرا رہے۔

کیفی صاحب ہنگامی واقعات و حالات سے انسانی زندگی تک نہ پہنچے بلکہ اس کا ہنگامی نوعیت پر ہی اکتفا کر لیا۔ اس سلسلے میں کیفی کی غزلیہ شاعری اور مجموعی طور پر انکی شاعرانہ خصوصیات کے ذیل میں خورشید نعمانی فرماتے ہیں:

" کیفی صاحب کی شاعری ہنگامی موضوعات کا آئینہ خانہ تو بن گئی لیکن فکر و فلسفہ سے عاری ہوگئی۔ کیفی کی شاعری میں کائناتی مسائل اور آفاقی عنصر کو تلاش کیا جائے تو اس کیے نشانات مفقود نظر آئینگے۔" ۲

مارکس کا نظریہ شاعری یہ تھا کہ اس نے اپنی تحریرو میں جمالیات کے انسانی اور سماجی کردار پر زور دیا۔ اس سے پہلے جرمن کلاسیکی ادب و فلسفہ میں بھی (کانٹ، ہیگل وغیرو) کے یہاں بھی جمالیات کا مجرد تصور غالب تھا۔ اس میں سماجی پہلو شامل نہ تھا۔ کیفی جب کمیونسٹ پارٹی میں داخل ہوئے تو مارکسزم سے قلبی و ذہنی طور پر متاثر ہوئے۔ لیکن انہوں نے شاعری میں رومانیت اور جمالیت کے ساتھ ساتھ انقلابی سماجی اور سیاسی پہلوؤں کو برتا اور اہمیت دی۔

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا کہ شروع میں کیفی صاحب کی شاعری کا رنگ آہنگ رومانی تھا اور اس رنگ میں ان کے کلام میں کوئی اچھا اور خاطر خواہ نمونہ دستیاب نہیں ہوتا۔

ترقی پسند تحریک رومانیت کی اس موڑ پر سامنے آئی جب اس کا سب سے بڑا مسئلہ دردمند اور رومانوی مزاج کو سماجی آہنگ اور عصری شعور و تقاضوں کے زیر اثر دینا تھا۔لہٰذا رومان اور عصری وابستگی کا یہ خط فیض، مجاز، مخدوم سبھی کے یہاں سے گزرا ہے۔کچھ شعراء نے دونوں کو الگ الگ حیثیت دی اور دونوں کو باہم سمونے کی کوشش کی۔(مجاز کا مصرعہ "آہنگ نو" میں پاس ناموس نگاراں جہاں ہے تو اٹھو") بعض نے ہنگامی یا سماجی موضوعات میں تغزل کی رومانی کھنک پیدا کی۔(مخدوم کی نظم انقلاب: گزر بھی جا کہ ترا انتظار ہے کب سے وغیرہ،

کیفی صاحب کی خصوصیت شاعری اور خاص طور پر غزلیہ اشعار کی نوعیت کے بارے میں محمد حسن رقمطراز ہیں۔

"کیفی رومانویت اور تغزل سے آزاد رہ کر عصری مسائل کو سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔(ایک معنی میں یہ آج بھی جاری ہے۔)" ۳

جس زمانے میں ملک میں ایمرجنسی نافذ کی گئی تو بہت سے شعراء جو سماجی وابستگی اور احتجاعی شعور سے منحرف ہوگئے یا پھر محدود ہو کر اپنی ذات میں سمٹ گئے۔

بہت سے کلاسیکی شاعری اور انسان دوستی کی طرف لوٹ گئے۔ اچھے اچھے اکثر شعراء قصیدہ پڑھتے اور لکھنے کی طرف مائل ہو گئے۔ کیفی صاحب نے اس دور میں بھی اپنے سماج اور زمانے سے تعلق نہیں توڑا۔ انہوں نے 'تیرے شہر میں' کی ردیف میں غزل، نظم "سناٹا" اور اخبار کی آزادئی اظہار پر پابندی لگنے پر ان کی نظم "آئینہ" اس زمانے کی یادگار نظمیں ہیں۔ کیفی یقین و اعتماد کا مدھم سا رہا بھی جلانے سے نہیں چوکتے۔

"ایک کروٹ اور بدلے گا ابھی ہندوستان"

کیفی کی شاعری کا ذکر ان کی غزل کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ کیفی نے غزلیں کم کہیں ہیں۔ وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ لیکن ان کی غزلوں میں بھی علامتی انداز سماجی وابستگی کی بنیادوں پر ابھر کر اور نکل کر سامنے آیا ہے۔ جو لوگ اس تحریک کے نشیب و فراز سے واقف ہیں جس سے کیفی اور ان کے شاعری گہرے طور پر وابستہ رہی ہیں انہیں غزل کے اشعار میں نئی خصوصیت کا احساس ہوگا جو اردو غزل کا نیا شعری لہجہ بھی ہے۔ ایک غزل کے دو اشعار دیکھئے۔:

۔ خار و خس تو ہٹیں راستہ تو چلے
میں اگر اٹک گیا قافلہ تو چلے

۔ بیچلے لاؤ کھوڑ آئیں کہ تہیں
میں کہاں فش ہوں کچھ پتہ تو چلے

کیفی صاحب کی ابتدائی زمانے کی غزلوں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں رومانیت اور جمالیاتی عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کیفی صاحب کی شاعری کی ابتداء قدیم مروج شعری ضابطوں اور اوش کے تحت ہوئی۔ لیکن بعد میں انہوں نے اس طرز اظہار سے انحراف اور اجازت کی۔ ان کی جھنکار کی نظمیں اور غزلیں اور ایک شعبہ رومانی شعر کا ایک خوبصورت حصہ ہیں۔ ان کی اس زمانے کی نظموں کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

یہ چشم نازک یہ نرم باہیں، حسین گردن، سڈول بازو!
شگفتہ چہرہ، سلونی رنگت، گھیرا جوڑا، سیاہ گیسو
نشیلی آنکھیں، رسیلی چتون، دراز پلکیں مہین ابرو
تمام شوخی، تمام بجلی، تمام مستی، تمام جادو

ہزاروں جادو جگا رہی ہو
یہ خواب کیسا دکھا رہی ہو

(تصور)

کلی کا روپ پھول کا نکھار لے کے آئی تھی
وہ آج کل خزانۂ بہار لے کے آئی تھی
جبین تابناک میں کھلی ہوئی تھی چاندنی
وہ چاندنی میں عکس لالہ زار لے کے آئی۔

(ملاقات)

کیفی صاحب کی خصوصاً غزلیہ اور رومانی شاعری جیسے ان کے شعری سفر کا پہلا دور کہا جاتا ہے "بڑی نرم و نازک سبک رفتار مترنم اور نغمگی سے بھرپور شاعری تھی۔ ان کے مصرعوں اور شعروں میں اتنی بے ساختگی، روانی اور رس ہے کہ پڑھنے والا ایک جادوئی کیف و سرور میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ کیفی کی رومانی شاعری میں اثر پذیری ہے۔ اس کا سبب ان کی زبان کی سادگی کے جذبے کی سچائی ہے۔ ان کے اشعار پڑھتے وقت اس پر خیال آرائی کا شبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اپنی ہی واردات محسوس ہوتی ہے۔"

کیفی صاحب کی تمام تر کلام کے سرمایہ میں غزلوں کی تعداد بہ مشکل پانچ سات عدد پر ہی محقوف ہے۔ اور ان میں باہی اکثر غیر مردف غزلیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافیہ و ردلف کی پابند نظموں میں مختلف مضامین کی شمولیت قدرے مشکل ہو سکتی ہے۔ جبکہ غیر مردف غزل میں کس حد تک آزادی اور آسانی ہوتی ہے۔ انکی غزلوں کی قلیل تعداد ان کے تیسرے مجموعے کلام " آوارہ سجدے" میں شامل ہیں۔ کیفی نے اپنی نظموں کا انتخاب بڑی سختی سے کیا ہے۔ اور یہی اصول انہوں نے اپنی غزلوں کے انتخاب میں رواں رکھا ہے۔ ان کی یہ مختصر غزلیں اس زمانے میں معرض تحریر میں آئی جب جان نثار اختر نے اپنی شعر گوئی کا رخ غزل کی طرف موڑ دیا تھا۔ غزلوں کے ذریعہ وہ اپنی تخلیقی تعطل و جمود کو توڑنا چاہتے تھے۔ لیکن اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

جاں نثار اختر سے پہلے خورشید احمد جامی نے بھی ایسی ہی مثال قائم کی۔ لیکن ان شعراء کے مقابلہ میں کیفی صاحب نے غزلوں میں اپنی نظم کی بنیادی آواز سے

انحراف نہیں برتا۔ جواختر کی نظموں اور بعد کی غزلوں میں پائی جاتی ہے۔کیفی صاحب کے یہاں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا۔کیفی صاحب کی غزلیں ان کے اپنے حقیقی وذاتی تجربے سے ماخوذ ہیں۔ان غزلوں میں بلا کا تیکھا پن بھی ہے، گہری نشتریت بھی ہے۔مصرعے چست ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ کیفی کی اپنی شخصیت کی شفافیت ان غزلوں کی خصوصیت ہے۔ان کی مختصر ہی سہی۔لیکن انکی غزلوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غزل انکی تخلیقی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا بہترین اور کامیاب وسیلہء اظہار ثابت ہوسکتی ہے۔درج ذیل اشعار کے مطالعہ سے ان کی غزل گوئی کی غیر معمولی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

میں ڈھونڈتا ہوں جسے وہ جہاں نہیں ملتا
نئی زمین نیا آسماں نہیں ملتا

نئی زمین نیا آسماں بھی مل جائے
نئے بشر کا کہیں کچھ نشاں نہیں ملتا

وہ تیغ مل گئی جس سے ہوا ہے قتل مرا
کسی کے ہاتھ کا اس پر نشاں نہیں ملتا

وہ میرا گاؤں ہے وہ میرے گاؤں کے چولھے
کہ جن میں شعلے تو شعلے دھواں نہیں ملتا

جو اک خدا نہیں ملتا تو اتنا ماتم کیوں
یہاں تو کوئی میرا ہم زباں نہیں ملتا

کھڑا ہوں کب سے میں چہروں کے ایک جنگل میں
تمہارے چہرے کا کچھ بھی یہاں نہیں ملتا

غزل کی صنف جیسے اساتذہ سخن نے کاروبار عشق کیلئے وقف کر دیا تھا" آوارہ سجدے" میں آ کر فکر و احساس کے نئے گوشے اجاگر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان غزلوں میں کیفی کا کھرا شعری کردار بے رعایت، بے تکلفی کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ لہٰذا ایسی غزل ملاحظہ فرمائیں۔

ہاتھ آ کر لگا گیا کوئی
میرا چھتر اُٹھا گیا کوئی

لگ گیا اک مشین میں میں بھی
شہر میں سے لے کر آ گیا کوئی

میں کھڑا تھا کے پیٹھ پر میری
اشتہار اک لگا گیا کوئی

یہ صدی دھوپ کو ترستی ہے
جیسے سورج کو کھا گیا کوئی

ایسی مہنگائی ہے کہ چہرہ بھی
بیچ کر اپنا کھا گیا کوئی

اب وہ ارمان ہے نی وہ سپنے
سب کبوتر اُڑا گیا کوئی

وہ گئے جب سے ایسا لگتا ہے

چھوٹا موٹا خدا گیا کوئی
میرا بچپن بھی ساتھ لے آیا
گاؤں سے جب بھی آ گیا کوئی

(آوارہ سجدے)

مذکورہ بالا غزلوں کے اشعار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غزلوں کے اشعار کو کیفی صاحب نے غزل کے مروجہ اور فرسودہ روایتی انداز و آہنگ سے الگ کر لیا ہے۔ان کی غزلوں کی ایسی خصوصیت کے ذیل میں سید حامد حسین رقم طراز ہیں:

"انہوں نے اپنی غزل کو نہ تو احساس کے نہاں خانوں میں اسیر کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ تخیل کی طلسمی خیرگی سے اسے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔کیفی کی یہ غزلیں ایک پختہ تخلیق شعور کو ایک جامع ایمائی اظہار فراہم کرنے کا کام سرانجام دیتی ہیں۔" ۴

کیفی صاحب کی غزل گوئی کے تعلق سے ایک بات قابل غور ہے کہ جب ۱۹۶۲ء میں ترقی پسند کو فروغ وتقویت دینے والی کانفرنس ہوئی تو ہر طرف اسکی مخالفت میں نشستیں منعقد ہونے لگیں اور نئی نئی انجمنیں قائم کی جاتی رہی تھیں۔بعض ترقی پسند یہ اظہار خیال کر رہے تھے کہ اردو شاعری کو سب سے زیادہ نقصان غزل نے پہنچایا ہے۔اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک عرصہ تک ترقی پسند مصنفین نے غزل گوئی سے پرہیز کیا۔حالی نے بہت پہلے ہی غزل گوئی کا مشورہ دے دیا تھا۔غزل کی زبان پیرایہ بیان موضوع اور مضمون میں تبدیلی لائی گئی۔فضا بہت جلد ہموار ہوئی۔فیض

احمد فیض، مجروح سلطان پوری، معین احسن جذبی وغیرہ نے ترقی پسندی کی حمایت کی اور اسلاف کا احترام بھی ملحوظ رکھا۔

کیفی بنیادی طور پر تو نظم کے شاعر واقع ہوتے ہیں لیکن انہوں نے جب غزل کہی تو اس میں بھی ترقی پسندی کی نظمیہ روایت کو برقرار رکھا۔ انہوں نے مثبت ترقی پسندی پر ضرب بھی نہ آنے دی اور غزل کا وقار بھی باقی رکھا۔

اس سلسلے میں پروفیسر محمود الٰہی تحریر فرماتے ہیں:

"عام طور پر غزل کے موضوعات میں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ میں اس وقت تسلسل کی عدم تسلسل کی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتا، لیکن کیفی صاحب نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کی نظموں کے موضوعات کا جو مخرج ہے وہی غزلوں کا بھی ہے" ۵

کیفی کی غزلوں کے چند منتخب اور بہت ہی مشہور اشعار کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

آج پھر ٹوٹیں گی تیرے گھر کی نازک کھڑکیاں
آج پھر دیکھا گیا دیوانہ تیرے شہر میں

میرا بچپن بھی ساتھ لے آیا
گاؤں سے جب بھی آ گیا کوئی

کیفی نے اپنی چند نظموں کو غزل کا فارم میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی اور وہ کافی حد تک اس تجربے میں کامیاب بھی ہوتے۔

جیسا کہ اس سے قبل یہ بات کہی جا چکی ہے کہ کیفی صاحب کا تعلق اردو کی ترقی پسند تحریک سے بڑا گہرا تھا اور وہ اسکے اہم رکن شمار کئے جاتے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی کے بھی وہ سرگرم کل وقتی رضا کار تھے۔ اشترا کیت اور ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے بعد ان کی شاعری گل ونغمہ و عارض وگیسو کی حکایت کا تزکرہ نہ رہ کر بلکہ ملک وسماج کے پریشان حال اور محروم انصاف لوگوں کے مسائل سلجھانے کی طرف مائل ہوگئی۔ انہوں نے اس طرح غزلیہ اشعار کہے کہ:

زندگی جہد میں ہے صبر کے قابو میں نہیں
نبض ہستی کا لہو کانپتے آنسو میں نہیں

کیفی صاحب کی غزلوں کی تعداد خواکم ہی سہی لیکن انکی ایک واضح خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ارضیت پسندی کا حسن نمایاں ہے۔ مقامیت کی خوبصورت تصویر جلوہ گر ہیں۔ تمام غزلیں رومانی ماحول اور فضا سے معمور ہیں۔ ان غزلوں میں عام طور پر عشق و محبت کے جذبات تو کارفرما نظر آتے ہیں لیکن ان کا آہنگ جداگانہ یا منفرد ہے۔ چند اشعار مزید ملاحظہ فرمائیں:

کیا جانے کس کی پیاس بجھانے کدھر گئیں
اس سر پہ جھوم کر جو گھٹائیں گزر گئیں
پیمانہ ٹوٹنے کا کوئی غم نہیں مجھے
غم ہے تو یہ کہ چاندنی راتیں بکھر گئیں

پایا تھا ان کو کھو بھی دیا چپ بھی ہو گئے
اک مختصر سی رات میں صدیاں گزر گئیں
اب جس طرف سے چاہے گزر جائے کارواں
ویرانیاں تو سب میرے دل میں اتر گئیں

کیفی صاحب کی شاعری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ایک سچے انسان اور سسکتی ہوئی انسانیت کے علمبردار ہیں۔ انہوں نے انسانیت کے درد کو اپنی ذاتی زندگی میں جھیلا بھی ہے اور اس کو مٹانے کے لئے شب و روز کوشاں بھی رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین ان کی شخصیت اور شاعری کے پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

" کیفی اعظمی کی شاعری ایک ایسے حساس فرد کی شاعری ہے جو حکیمانہ شعور کو پورے طور پر اپنا کر مایوسیوں اور پھروں میں بھی زندگی کی آنکھو میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت اور جرأت رکھتا ہے۔ اور اپنی شخصیت اور شاعری کو انسان کے اس عظیم مجاہدے کا حصہ جانتا ہے جو ازل سے جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔" ٦

ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد کے زیر اثر کیفی کے لئے غزل کا دامن بہت تنگ تھا۔ اس لئے اپنے ماضی الضمیر کے اظہار کے لئے انہوں نے غزل کو خیر آباد کہکر نظم گوئی کا سہارا لیا۔ انکا ابتدائی دور کئی اعتبار سے کش مکش کا دور تھا۔ سیاسی، سماجی اور ادبی صورت حال کافی حد تک تبدیلیوں سے گزر رہی تھی۔ اس دور میں جھنکار مجموعہ کلام شائع ہوا۔ اس دور کے انتشار، بحرانی کیفیت اور کش مکش اور غزل

سرائی سے انحراف کا رجحان اس پر مجموعہ میں شامل پہلی ہی نظم سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ نظم کے اشعار دیکھئے:

طبیعت جبریہ تسکین سے گھبرا جاتی ہے
ہنسو کیسے ہنسی کم بخت تو مرجھائی جاتی ہے
بہت چمکا رہا ہوں خال وخط کو سعئ رنگیں سے
مگر پژمردگی سی خال وخط پر چھائی جاتی ہے
جوانی چھڑیتی ہے لاکھ خوابیدہ تمنا کو
محبت دل کے اضمحلال سے شرمائی جاتی ہے

کیفی صاحب نے اپنی عمر کے آخری حصے میں یعنی ۵۶ سال کی ادھیڑ عمر میں اپنے کلام کا ایک انتخاب بعنوان " آوارہ سجدے " مرتب کیا۔ وہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ:

"اس مجموعہ میں صرف ان نظموں اور غزلوں کا انتخاب کیا ہے جو مجھے کسی وجہ سے پسند ہیں۔" ۷

آوارہ سجدے سے ایک غزل کا رنگ وروپ اور لب ولہجہ دیکھئے:۔

خاروخس تو اٹھیں راستہ تو چلے
میں اگر تھک گیا قافلہ تو چلے

چاند سورج بزرگوں کے نقش قدم
خیر بجھنے دو ان کو ہوا تو چلے

حاکم شہر یہ بھی کوئی شہر ہے
مسجدیں بند ہیں میکدہ تو چلے
اس کو مذہب کہو یا سیاست کہو
خودکشی کا ہنر تم سکھا تو چلے
اتنی لاشیں میں کیسے اٹھا پاؤں گا
آپ اینٹوں کی حرمت بچا تو چلے
بیلچے لاؤ کھولو زمیں کی تہیں
میں کہاں دفن ہوں کچھ پتا تو چلے

یہ غزل کی ہیت میں اپنے داخلی مشمولات اور نفس مضموں کے اعتبار سے نظم ہی کہی جا سکتی ہے۔ کیفی صاحب کی نمایاں خوصیت یہی ہے کہ وہ غزل کا فارم میں بھی اپنے نظمیہ خیالات و نظریات کو خوش اسلوب اور موثر طریقے سے بیان کر دیتے ہیں۔

جیسا کہ اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ کیفی صاحب کا پہلا مجموعہ کلام جھنکار شائع ہوا تو اس میں ان کے ابتدائی کلام شامل تھے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کیفی صاحب نے اپنے گھر کے شعری و ادبی ماحول کے زیر اثر اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی۔ لیکن یہ امر حیرتناک ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے مجموعہ کلام جھنکار میں ایک بھی غزل شامل نہیں کی۔ اس مجموعہ میں ۵۵ نظمیں شامل ہیں۔ دو ایک قطعات بھی ہیں۔

کیفی صاحب بنیادی طور پر رومان پسند واقع ہوتے ہیں۔ جمال پسندی ان

کے ضمیر میں داخل تھی۔ لہٰذا ان کی ابتدائی غزلوں کے علاوہ نظموں اور پھر فلمی گیتوں میں بھی رومانیت اور جمال پسندی کسی نہ کسی رنگ و آہنگ میں جھلکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے رومان کو انقلاب و احتجاج کے پیرائے میں بیان کیا۔

کیفی صاحب سے قبل حالیؔ، اکبرالہ آبادیؔ، شبلیؔ، چکبستؔ، جوشؔ، اختر شیرانیؔ، احسان دانشؔ وغیرہ کے یہاں بھی رومانی اور انقلابی نظمیں ملتی ہیں۔ کیفی صاحب نے ان شعراء کے اثرات ضرور قبول کئے اور اپنے تمام ہم عصر شاعروں کی طرح رومانی انقلابی روایات کو آگے بڑھانے میں نمایاں حصہ لیا۔ اپنے سے پیشتر تمام شاعروں کے برعکس کیفیؔ کی رومانی اور انقلابی شاعری میں جدیدیت اور حقیقت پسندی کا رجحان زیادہ نمایاں ہے۔ کیفیؔ کی شاعری اسلوب طریقہ کار اور اپنے مزاج کے اعتبار سے الگ مقام رکھتی ہے

حواشی

۱۔ شاہد ماہلی، میں اور میری شاعری، کیفی اعظمی فن اور شخصیت ص ۲۲

۲۔ خورشید نعمانی، کیفی اعظمی کی شاعری بحوالہ، کیفی اعظمی فن اور شخصیت شاہد ماہلی ص ۳۶۰

۳۔ محمد حسن کیفی، کیفی اعظمی نئی تہہ داری کے شاعر بحوالہ، کیفی اعظمی فن اور شخصیت شاہد ماہلی ص ۹۹

۴۔ سید حامد حسین آوارہ سجدے کی تخلیقی تشکیل بحوالہ، کیفی اعظمی فن اور شخصیت شاہد ماہلی ص ۲۸۶

۵۔ پروفیسر محمود الٰہی، عروجِ آدم خاکی، بحوالہ، کیفی ڈاکٹر شہاب الدین ص ۲۱

۶۔ ڈاکٹر محمد حسن بحوالہ کیفی کی رومانی و انقلابی شاعری ڈاکٹر منور انجم، کیفی، ڈاکٹر شہاب الدین۔

۷۔ کیفیات۔ ص ۲۶۹ بحوالہ کیفی اعظمی کی شناخت، ڈاکٹر شہاب الدین۔ ص ۱۷۵